شان الحق حقی کی ادبی صحافت

عرفان شاہ

ABSTRACT:

Shanul Haq Haqqee (15th September, 1917 - 11th October, 2005) was a versatile genius having multi-dimensional vision and knowledge. He was at a time great linguist, lexicographer, researcher, scholar, critic, translator, biographer, fiction writer, an acknowledged great poet, a story writer for children, humorist, copywriter and a publicist. His respected father Moulvi Ahteshamuddin was also a great lexicographer, poet, researcher and writer of great eminence.

Shanul Haq Haqqee's creative works is found in various forms of Urdu literature in which he has shown his creativity and exhibited his new experiences in them. In his works his approach and vision had various angles and innovations. His writings in respect of credibility and correctness of language attained status of a certificate of perfection. His special interest in lexicography represents his command on the subject and theme. During his honorary appointment in Urdu Development Board, Karachi, he served for many noble services which includes his lexicographic work on Urdu dictionary and issuance of quarterly "Urdu Nama". He also remained associated as Chief Editor Urdu Monthly "Mah-e-Nau" Karachi.

Key Words:

Shanul Haq Haqqee, Literary Journalism, Laxicography, Urdu Deelopment Board, Urdu Nama, Mah-e-Nau

شان الحق حقی کی شخصیت کا ایک پہلو صحافت ہے۔ صحافت کے جدید تناظر میں دیکھا جائے تو عملاً شان الحق

حقی کی عملی زندگی کسی نہ کسی اعتبار سے صحافت سے وابستہ رہی ہے۔ رسائل کی ادارت سے لے کر اشتہار سازی تک حقی صاحب نے ہر شعبے میں اپنی انفرادیت کو تسلیم کرایا ہے۔ ادارت کامل علمی دسترس کا مطالبہ کرتی ہے اور اشتہار سازی مکمل آرٹ ہے۔ حقی صاحب کی صحافتی خدمات کے بنیادی حوالہ جات ترقی اردو بورڈ، کراچی کا سہ ماہیٔ اردو نامہ اور ادارۂ مطبوعات پاکستان کا ماہنامہ ماہِ نو ہے۔ لیکن حقی صاحب تقسیم سے قبل ہی صحافت سے رشتہ استوار کر چکے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائی عمر سے ہی حقی صاحب میں ایک ابلاغی فرد نمو پا رہا تھا، جس کی تصدیق حقی صاحب خود کرتے ہیں:

> ''جب میں دلی کے عربک ہائی اسکول (واقع دریا گنج) میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا تو میں نے ایک چار ورقی اخبار اپنے ہاتھ سے لکھ کر تیار کیا تھا۔ اس کی آرائش سے لے کر کتابت اور فرضی اشتہارات تک سب میرے قلم سے تھے۔ میں 'شگوفہ' نام رکھنا چاہتا تھا۔''[۱]

اس انکشاف سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ میلانِ طبع صحافت کی طرف اوائل عمری سے ہی تھا اور یہ بات حقی صاحب کے ذہن میں راسخ تھی کہ اخبار کی بنیادی ضرورت اشتہارات ہوتے ہیں۔ اس سے قبل کہ حقی صاحب کی صحافتی خدمات کا ناقدانہ جائزہ لیں بہتر ہوگا کہ ہم برصغیر کے معروضی حالات میں صحافت کے منظر نامہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

انسان میں فطری طور پر چھان بین کا مادہ موجود ہے۔ وہ دوسرے کے متعلق جاننا اور اپنے بارے میں دوسرے کو بتانا چاہتا ہے۔ 'دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے، اپنا مطلب واضح کرنے اور بات چیت کے عمل کو ابلاغ کہتے ہیں'۔[۲] لفظ ابلاغ 'بلغ' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پھیلانا، پہنچانا، اسی سے لفظ تبلیغ بنا جو ابلاغ ہی کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح لفظ صحافت 'صحیفہ' سے نکلا ہے۔ صحیفہ کے لغوی معنی کتاب، رسالہ یا کاغذ کے صفحے ہیں لیکن عام طور پر اس سے مراد ایسا مطبوعہ مواد لیا جاتا ہے جو باقاعدہ وقفوں سے شائع ہوتا ہو۔ اخبارات و رسائل اسی زمرے میں آتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں صحافت صرف اخبار و رسائل تک محدود نہیں بلکہ ریڈیو، ٹیلی وژن بھی صحافت کے دائرۂ کار میں شامل ہو چکے ہیں۔ ابلاغ (Communication) اور صحافت (Journalism) میں فرق کو صرف اس لیے واضح کر دینا ضروری ہے کہ موضوع کی تفہیم آسان ہو جائے۔

ابلاغ	صحافت
ا۔ مطلوبہ تبدیلی لانا	ا۔ اطلاعات اور معلومات فراہم کرنا
۲۔ دو قسمیں ہیں	۲۔ کئی قسمیں ہیں
(i) قلیل گروہی	(i) اخبارات (ii) رسائل
(ii) کثیر گروہی؟	(iii) ڈائجسٹ/میگزین

ابلاغ اور صحافت دونوں ہی شعبے حقی صاحب کے ساتھ لازم و ملزوم رہے ہیں۔ کچھ ان کا مزاج اور کچھ ان کی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں جنھوں نے اس کوچے سے انھیں کبھی نکلنے نہیں دیا۔

حقی صاحب نے جب شعوری عمر میں قدم رکھا، وہ برصغیر کی تاریخ میں اہم سیاسی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور تعلیمی تبدیلیوں کا دور تھا۔ بدیسی حکمران کا اقتدار، ہندوؤں کا مسلمانوں کے لیے مخصوص اندازِ فکر اور از خود مسلمانوں میں مستقبل کے بارے میں کوئی واضح لائحہ عمل کا نہ ہونا سماجی ناہمواری میں اضافے کا سبب تھا۔ اس پر مستزاد انگریزی سرکار کا متعصب رویہ، جہاں سرکاری ملازم تو ایک طرف عام آدمی پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ اس کی ایک وجہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی صحافت کا محبِّ وطن کردار تھا جس کا اظہار جون ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے یوں کیا:

> ''دیسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کر دیے، یہ کام بڑی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا''۔[۳]

اس سوچ میں جنگ عظیم دوم میں مزید پختگی آئی، خصوصیت کے ساتھ ابلاغ اور صحافت سے تعلق رکھنے والے افراد اور اداروں کے ساتھ، عصری حالات اور زمانی اعتبار سے ۱۸۵۷ء کا سال اردو صحافت کے ایک دور کے اختتام کا اعلامیہ ہے۔ اخبارات اور رسائل کے رجحانات میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے لگیں، بقول بدر شکیب:

> ''ہنگامہ خیز زمانے میں یا تو اکثر و بیشتر (اردو) اخبارات بند ہوگئے یا ملک کے بدلے ہوئے حالات قانون اور دارو گیر کے خوف نے ان کے لہجے میں اعتدال پیدا کر دیا''۔[۴]

بیسویں صدی اس لیے نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے اوائل ہی میں برصغیر کا سیاسی وادبی تناظر فکر و نظر کی نئی جہتوں سے روشناس ہوا۔ ادب کی نئی تحریکیں اور نئی اصناف نے فروغ پایا۔ آزادی کے بعد لاہور اور کراچی علم وادب کی ترقی وترویج کے مراکز بنے اور یہاں سے علمی وادبی رسائل وجرائد کی اشاعت تواتر کے ساتھ ہوئی جن میں چند ذہن ساز پرچے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری اور نیم سرکاری سرپرستی میں بھی علمی، ادبی اور خالصتاً لسانی تحقیق پر مبنی رسائل منظر عام پر آئے۔ کراچی اور لاہور کے کچھ اہم رسائل اور ان کے مدیران پر نظر ڈالتے ہیں:

(i) کراچی

انجمن ترقی اردو پاکستان کے تحت سہ ماہی اردو[۵] اور ماہنامہ قومی زبان، مدیر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق، دو ماہی نیادور، صہبا/ممتاز شیریں، ماہنامہ سب رس، حمید الدین شاہد، ماہنامہ طلوع افکار، حسین انجم، ماہنامہ انشاء جون ایلیا، ماہنامہ فاران، مولانا ماہر القادری، ماہنامہ العلم، سید الطاف علی بریلوی، ماہنامہ ساقی، شاہد احمد دہلوی، پاکستان رائٹرز گلڈ کا ماہنامہ ہم قلم شمیم احمد/طفیل احمد جمالی، حلقہ ارباب ذوق کا ماہنامہ سیپ، نسیم درانی، ماہنامہ نگار، علامہ نیاز فتح پوری، ماہنامہ مہر نیم روز سید حسن مثنیٰ ندوی، ادارۂ یادگارِ غالب کا سہ ماہی غالب، فیض احمد فیض/مرزا ظفر الحسن، ماہنامہ اخبار اردو، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ترقی اردو بورڈ کا سہ ماہی 'اردو نامہ'، جوش ملیح آبادی/شان الحق حقی، ادارہ مطبوعات پاکستان کا ماہنامہ ماہِ نو سید وقار عظیم۔

(ii) لاہور

ماہنامہ ادبِ لطیف، ممتاز مفتی/فکر تونسوی/ عارف المتین، ماہنامہ نقوش، احمد ندیم قاسمی/ ہاجرہ مسرور/ محمد طفیل، ماہنامہ ادبی دنیا مولانا صلاح الدین، ماہنامہ فانوس، عزیز احمد، ماہنامہ سیارہ، خالد عرفانی، ماہنامہ فنون، احمد ندیم قاسمی/ حبیب اشعر، مجلس ترقی ادب کا سہ ماہی صحیفہ، عابد علی عابد/ ڈاکٹر وحید قریشی، ماہنامہ اوراق، ڈاکٹر وزیر آغا/ عارف عبدالمتین، پاکستان رائٹرز گلڈ کا ماہنامہ قلم کار، مجلس زبان دفتری کا اردو نامہ، عطش درانی/ سید منصور عاقل، (یہ بات ملحوظ رہے کہ اُن مدیران کے نام ضبطِ تحریر کیے گئے ہیں جنھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد ادارت کی اوّلین ذمہ داریاں نبھائی تھیں)۔

حقی صاحب کی صحافتی خدمات کے مطالعہ سے قبل اس سرسری جائزے سے ایک بات تو حتمی طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ برصغیر میں اردو صحافت نے ہمیشہ طاقتور اور ذہن ساز کردار ادا کیا ہے، چاہے حالات کچھ بھی ہوں، اس کے ساتھ ہی جائزہ اس امر کی غمازی بھی کر رہا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ادبی رسائل سے اہل علم و ادب کا رشتہ استوار اور مضبوط تھا۔ حقی صاحب نے قلم کمائی سے ہی عملی زندگی کا آغاز کیا اور ابتداء میں ہی انھیں جبر و استبداد کا سامنا کرنا پڑا جس سے یقیناً ان کی صحافتی فکر پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہوں گے۔ اس کا اظہار انھوں نے شعوری طور پر نہ سہی لاشعوری طور پر کیا۔ یہ الگ بات کہ انہوں نے مثبت صلاحتیوں سے منفی عمل کو شکست دی ہے۔
حقی صاحب کے خمیر میں صحافت شامل تھی جس سے آشنائی تو انھیں بچپن میں ہی ہو چلی تھی۔ حسنِ اتفاق سے انھیں پہلی ملازمت ۱۹۴۰ء میں جنرل ہیڈکوارٹر کے مانیٹرنگ آفس شملہ میں بحیثیت مترجم ملی جہاں ان کے ذمہ فوجیوں کی تربیت کے لیے ٹیکنیکل لٹریچر کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ یاد رہے ترجمہ نگاری بھی صحافت کا ایک متعلقہ شعبہ ہے۔ حقی صاحب کو جلد ہی ایک سرکاری رپورٹ کی بناء پر نوکری سے فارغ کر دیا گیا، جس کے بعد انھوں نے پندہ روزہ آج کل دہلی میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کچھ روز کام کیا، (آج کل کا تفصیلی ذکر آگے ملاحظ فرمائیں) پھر ایسوسی ایٹڈ ایڈورٹائزنگ ایجنسیز (اے اے اے) شملہ میں پہلے انھوں نے مترجم اور پھر اور یجنل کاپی رائٹنگ کے فرائض انجام دیے۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے پر شملہ کی اشتہاری ایجنسیوں کا اشتراک بھی ختم ہوگیا اور حقی صاحب معاملۂ معاش میں الجھ گئے۔

اس ضمن میں یہ لکھتے ہیں:

> ''والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک مکان بیچ کر رسالہ نکالنے کا ارادہ کیا، شاید اشتہاری ایجنسیوں سے مدد ملے۔۔۔ یہ مکان دہلی میں سرسید روڈ کے قریب کوچۂ تارا چند میں تھا۔ اس کی بابت مشہور ہوگیا تھا کہ اس میں جن رہتا ہے، کئی برس خالی پڑا رہا، پھر شاید وہ جن کہیں اور چلا گیا۔ دو منزلہ مکان تھا، سولہ ہزار میں بکا۔۔۔ رسالہ نکالنے کی تیاریاں ہونے لگیں، نام روز گار رکھا تھا''۔۶

یہ منصوبہ بھی ادھورارہ گیا اور پاکستان ہجرت تک حقی صاحب نے کوئی ملازمت نہیں کی۔

صحافتی خدمات کا فکری وفنی مطالعہ:

حقی صاحب کی صحافت کے بنیادی حوالے سہ ماہی اردونامہ اور ماہنامہ ماہ نو کی ادارت ہے جبکہ چند اور رسائل میں ان کی صحیفہ نگاری جزوی یا مشاورت تک محدود ہے، اس لیے ہم بھی فکری وفنی مطالعہ کو 'اردونامہ' اور 'ماہ نو' کے تناظر میں نقد کی کسوٹی پر جانچیں گے۔

(i) سہ ماہی اردونامہ

بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دوٹوک کہا تھا کہ قومی زبان اردو ہوگی۔ قائداعظمؒ کی رحلت کے ساتھ ہی ناعاقبت اندیشوں نے اردو کی قومی وسرکاری زبان کی حیثیت کو متنازعہ بناتے ہوئے معاملات کو کچھ اس طرح الجھایا کہ صدافسوس! اردو آج تک اپنے جائز آئینی حق سے محرومی کے سبب سرکاری زبان نہ بن سکی۔

عوامی مطالبہ کی شدت کے پیش نظر حکومت نے وفاقی وزارت تعلیم کے تحت اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے ضروری انتظامات کرنے اور لسانی مسائل کے علمی وعملی حل کے لیے نوٹیفکیشن: ایف۱۱۔ ۳۵۷۔ ای۔ IV بتاریخ ۱۴؍جون ۱۹۵۸ء کے تحت 'ترقی اردو بورڈ'، کراچی قائم کرتے ہوئے اس کا صدر ممتاز حسن احسن، نائب صدر بیگم شائستہ اکرام ہائی کمشنر لندن جبکہ ڈاکٹر سید عبداللہ (اورینٹل کالج لاہور)، رزاق الخیری (مدیر ماہنامہ عصمت، کراچی)، پیر حسام الدین راشدی (سندھی ادبی بورڈ کراچی) اور شان الحق حقی (کراچی) کو اراکین مقرر کیا۔

ترقی اردو بورڈ، کراچی نے اپنی تشکیل کے ساتھ ہی جن اہداف کا تعین کیا ان میں اردو کی ایک عظیم الشان لغت کی تیاری اور ادب کی نایاب و نادر کتب کی اشاعت ترجیحات میں شامل تھی۔ ایسے میں بورڈ کے معتمد شان الحق حقی نے تجویز پیش کی کہ بورڈ کا اپنا جریدہ بھی ہونا چاہیے جسے بحث وتمحیص کے بعد منظور تو کرلیا مگر وسائل کی کمی کا سامنا تھا۔ اس بارے میں حقی صاحب کا موقف سنیے:

> ''پہلے تو اندرونی مخالفت کا سامنا رہا کہ رسالہ نکالنا کیا ضرور، میاں اپنا کام کرو، لغت تیار کرو، عرض کیا کہ یہ دردِ سر یونہی مول لینا مقصود نہیں، ادارے کی ایک لازمی ضرورت ہے کہ اپنے کام کی بابت اہل الرّائے سے استصواب کیا جا سکے، پبلک کے اطمینان کے لیے اپنی کارگزاری پیش کی جاسکے اور جب یہ صورت ہوگی تو کام کرنے والوں کو بھی مستعد ہونا پڑے گا۔ لغت اور زبان کی اصلاح وترقی کے سلسلے میں بعض اصولی باتوں کا تصفیہ بھی ضروری تھا مثلاً طریق املا، زبان کے حدود اربعہ (کیا اردو ہے اور کیا اردو نہیں) اسناد کا دائرہ، پھر فراہمیِ اسناد کے سلسلے میں بھی عام قارئین کی معلومات سے استفادہ کیا جا سکتا تا کہ جو خلا رہ گئے ہیں وہ سب کے تعاون سے پُر کیے جاسکیں۔''[۷]

اردو نامہ کے لیے مواد کی فراہمی سے لے کر اشاعت کے کٹھن مراحل تک جن مصائب و مشکلات کا سامنا حقی صاحب تنِ تنہا کرنا پڑا۔ اس بارے میں آپ رقمطراز ہیں:

''گویا اپنے اوپر ایک اور ذمہ داری لی، بورڈ کے پاس اس کے لیے رقم نہ تھی، نپی تلی گرانٹ ملتی تھی، اصحابِ عملہ میں سے صرف خواجہ حمید الدین شاہد صاحب پرجوش تھے اور زیادہ تر وہی میرے معاون اور شریکِ کار رہے۔ رسالہ کا نام اردو نامہ بھی انھی کا تجویز کردہ تھا۔ ایک کڑی شرط یہ تھی کہ رسالہ اپنے بل پر نکلے اور چلے، بعد میں جب وہ چل پڑا تو عملے میں سے ایک صاحب کو رسالے کے دفتری اور بیرونی کاموں میں مدد کے لیے لگا لیا گیا۔ پہلے جناب یوسف بخاری [8] اور پھر مرزا نسیم بیگ [9] دفتری کاموں اور بازار اور پریس کے ہیرے پھیروں میں مددگار رہے''۔ [10]

پاکستان میں شان الحق حقی کی ادارتی صلاحیتیوں کا پہلا امتحان ایک خالصتاً لسانی مباحث پر محیط سہ ماہی اردو نامہ کی صورت درپیش تھا۔ اردو نامہ کا پہلا شمارہ اگست ۱۹۶۰ء میں منصۂ شہود پر آیا تو بطور نگراں ممتاز حسن احسن، مدیر اعلیٰ و مشیر ادبی جوشؔ ملیح آبادی اور رکن معتمد اعزازی شان الحق حقی کے نام اور مولوی سید احمد دہلوی مولف فرہنگِ آصفیہ کی شبیہہ سے سرورق مزین کیا گیا تھا۔ چھ مستقل عنوان شعبہ لغت، شعبہ مطبوعات، اردو کی ترقی کے مسائل، نادرات، تبصرے اور مراسلات قائم کرتے ہوئے جوشؔ ملیح آبادی، شان الحق حقی، سید ہاشمی فرید آبادی، خلیق نقوی، ڈاکٹر محمد شہید اللہ، سید یوسف بخاری اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی نگارشات شامل کی گئی تھیں۔ پرچہ کا سالانہ چندہ مبلغ چار روپے (مع محصول ڈاک) اور فی پرچہ ایک روپے قیمت رکھی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ اہلِ علم استفادہ کرسکیں۔

پہلا شمارہ اپنے مواد اور حسنِ ترتیب سے احباب علم و فن کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب رہا۔ قارئین کا پُرخلوص لگاؤ آنے والے مراسلات کی تعداد سے ثابت تھا۔ شمارہ نمبر ۵/ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۱ء سے جوشؔ ملیح آبادی اور شان الحق حقی پر مشتمل ادارہ تحریر تشکیل دے کر مدیر اعلیٰ کا منصب ختم کر دیا گیا اور شمارہ ۷/ جنوری تا مارچ ۱۹۶۲ء میں خواجہ حمید الدین شاہد، شمارہ نمبر ۲۰/ اپریل تا جون ۱۹۶۵ء میں نسیم امرہوی ادارۂ تحریر میں شامل ہوئے جبکہ شمارہ نمبر ۳۰/ جنوری تا مارچ ۱۹۶۸ء سے جوش ملیح آبادی اور شمارہ نمبر ۵۰ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۴ء میں نسیم امروہوی اور خواجہ حمید الدین شاہد ادارت سے منسلک رہے۔ علاوہ ازیں اسی شمارے (۵۰) سے نگران محمد ہادی حسین ہوئے اور ادارت میں سید قدرت نقوی اور رفیق خاور کو شامل کیا گیا۔ شان الحق حقی کی ادارت میں اردو نامہ کا آخری شمارہ نمبر ۵۳ / جون ۱۹۷۶ء تھا جبکہ بیادِ قائداعظم ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی ادارت میں پہلا اور سہ ماہی اردو نامہ کا آخری شمارہ نمبر ۵۴/ اپریل ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ شان الحق حقی نے اردو نامہ کے سرورق پر مشاہیرِ ادب کی تصاویر شائع کر کے نہ صرف ندرت پیدا کی بلکہ آج یہ نایاب تصاویر تاریخ اور حقی صاحب کی منفرد صحافتی سوچ کی غماز ہیں۔

اردو نامہ کی ادارت ایک عام ادبی پرچے کی نسبت غیر معمولی نوعیت کی علمی استعداد اور تحقیقی میلان کا

مطالبہ تھی۔ حقی صاحب نے جس طرح یہ نبھائی وہ اس بات کی دلیل روشن ہے کہ آپ نے اردو کے لیے مجاہدہ کیا۔ اس سے قبل کہ 'اردو نامہ' اور حقی صاحب کی صحافتی خدمات پر بات کو آگے بڑھائیں، ضروری ہے کہ ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کی 'اردو نامہ' کے حوالے سے رائے ملاحظہ کر لی جائے:

''یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ لغت، لسانیات، قواعد، اشتقاقیات، اعراب، املا، رسم الخط، تدوینِ لغت، وضعِ اصطلاحات وغیرہ کے اصولی مسائل پر جو مقالات و مباحث اس کے صفحات پر آ چکے ہیں اس سے اردو کے ہر رسالے کا دامن خالی ہے''۔[۱۱]

صحافت کے مروّج راستے کبھی بھی حقی صاحب کے پیشِ نظر نہیں رہے۔ انھوں نے ہر کام میں جدّت، ندرت اور انفرادیت کو مقدم رکھا ہے۔ یہی وصف انہوں نے اردو نامہ میں بھی پیدا کیے جو ایک مشکل عمل تھا اور اس کا ادراک انہیں بخوبی تھا کہ ایک خالصتاً زبان و بیان کے مسائل سے وابستہ صحیفہ کے لیے کن مشکلات کا سامنا انھیں کرنا پڑے گا۔

اس بابت وہ خود رقم طراز ہیں:

''اردو صحافت کی تاریخ اس لحاظ سے بڑی لمبی چوڑی ہے کہ پچھلے تقریباً دو سو برس میں مختلف طرح کے بے شمار صحائف وجود میں آئے، جن میں سے اکثر تھوڑی سی جھلک دکھا کر رخصت ہو گئے، معاشرے میں شرح خواندگی اور عمومی خوشحالی، مطالعے کی روایت اور ذوقِ صحیفہ نگاری کا تجربہ اور اہلیت، پابندیِ وقت اور احساسِ ذمہ داری، اہلِ قلم یا باصلاحیت لوگوں کی موجودگی اور لکھنے پر آمادگی۔۔۔ جدید دنیا میں ہر قسم کی صحافت (جس میں فنی، ادبی اور علمی جرائد بھی شامل ہیں) صنعت و تجارت کے فروغ پر انحصار رکھتی ہے، یعنی اشتہارات کے بل پر چلتی ہے''۔[۱۲]

اردو صحافت میں اردو نامہ ایک کثیر الجہات اور کثیر الموضوعات مجلّہ تھا جس میں کلیدی طور پر زبان و لغت سے متعلقہ مسائل و مباحث کو موضوع رکھتے ہوئے ادب و ثقافت کے گوشوں کو اجاگر کیا گیا۔ اس سے زبان سے وابستہ کئی نئی جہتیں سامنے آئیں۔ حقی صاحب کی حتی الامکان کوشش اور خواہش ہوتی تھی کہ علم لسانیات کے جدید مفاہیم اور اصول و ضوابط سے عام قاری کو اس طرح آگاہی دی جائے کہ وہ اردو کے بارے میں کسی بھی الجھن کا شکار نہ ہو اور اس کا یقین اس بات پر پختہ ہو جائے کہ اردو میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک علمی، ادبی، تحقیق، تدریسی، کاروباری اور معاملاتِ حکومت چلانے کے لیے کسی زبان میں ہونی چاہیے۔

'اردو نامہ' میں حقی صاحب نے مسائلِ زبان پر خصوصی توجہ مرکوز رکھی۔ زبان کے مخارج، اصلیت، محاورات، اصطلاحات، رشتۂ لغات اور تحقیقات کو حکیمانہ طور پر جانچنے کے ساتھ ہی انہوں نے اردو نامہ میں عروض و فصاحت، تاریخ، افسانہ، خودنوشت اور دیگر موضوعاتِ ادبی کو شامل کیا تا کہ پرچہ کی حیثیت کو نقدِ ادب کی کسی بھی کسوٹی پر پرکھا جا سکے۔

حقی صاحب نے اردو نامہ کے اداریوں میں اپنی تخلیقی اور علمی صلاحیتوں کے بھرپور جوہر دکھائے ہیں جو

ان کے عمیق مطالعے، زبان ولغت پر کامل دسترس، عصری تقاضوں سے آگاہی اور مستقبل کے مسائل کے شعور کا بین ثبوت ہیں۔

حقی صاحب کے اداریے بڑے فکرانگیز اور مدبرانہ ہوتے تھے، ہر شمارہ میں ایک گمبھیر موضوع پر اداریہ بعنوان 'افتتاحیہ یا ابتدائیہ' شامل ہوتا، موضوعات دیکھیے، رومن الفاظ کا معیاری ضابطہ، اردو کے مسائل، اردو زبان کی تبدیلیوں کا معروضی جائزہ، ادب اور پیشہ وری کا مسئلہ، پاک بھارت جنگ کے حوالے سے مسلمانوں کی فراستِ جنگ، پاک بھارت جنگ کا تجزیہ بحوالہ اردو، زبان اور تعلیم زبان چندمسائل، اردو میں علاقائی الفاظ کی شمولیت کا مسئلہ، زبان ایک سیاسی مسئلہ، لُغویات یا لغویات اور زبان وسیلۂ آشتی یہ تنوع ہی حقی صاحب کی صحافت کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے۔ پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء کے حوالے سے اداریہ 'جرأت اور فراستِ جنگ' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کا موقف دنیا پر واضح ہے۔ اس کا سارا مدار ایک ایسے مطالبے پر ہے جو مہذب دنیا کا ایک ماناہوا اصول ہے۔ پاکستان صرف حلف کی پابندی اور ایک جائز فطری حق کوتسلیم کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اس کے لیے کشمیریوں کی فریاد اوران کی حمایت میں پاکستان کی امن پسندانہ جدوجہد کو ۱۸ برس گزر چکے ہیں۔ آخر، کیا حیثیت قرار پائے گی دنیا میں اس قوم کی جو اس بے انصافی پر صبر کر کے بیٹھ رہے یا اپنی بے بسی پر شاکر ہوکر رہ جائے؟ کیا کشمیری اور پاکستانی ایسی ہی مجہول و بےحس مخلوق کا نام تھا کہ ہندوستان کی اس کھلی ہٹ دھرمی پر دم نہ مار سکے۔ ہم ہندوستان سے صلح چاہتے ہیں لیکن ہندوستان نے خود ہی اس کا راستہ بند کر رکھا ہے، دوسری طرف کا نعرۂ جنگ بھی سن لینا چاہیے 'کشمیر ہمارا ہے' سے قطع نظر وہاں حق اور انصاف دونوں کو پس پشت ڈال کر 'سیکولرازم' کی آڑ پکڑی گئی ہے، ہندوستانی پروپیگنڈے کا سارازور اسی پر ہے، یہ وہی بات ہوئی کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ہندوستان کو اپنی لامذہبیت ہزار ہزار شایان ومبارک، لیکن اس سے کشمیریوں کو اپنی آزادی سے محروم کرنے کا جواز کیوں کر پیدا ہوا؟ یہ گویا مسلمانوں کو مذہب زدہ بتا کر غیر اسلامی دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا ایک بھونڈا اور مبتذل بہانہ ہے۔۔۔ ہندوستان کی سیاست کا اصل اصول کیا ہے؟ ہمارے خیال میں اسے بہتر سے بہتر جو نام دیا جا سکتا ہے وہ شاونیت (Chauvinism) ہے۔ یہ اپنے بہتر سے بہتر روپ میں فقط بھارت ماتا کی پرستش ہے اور بدتر سے بدتر روپ میں برہمنیت، فاشیت، نوآبادیت وغیرہ۔''[۳۱]

اردو زبان پر مختلف طبقات کی تنقید کے حوالے سے اپنے اداریے میں لکھتے ہیں:

> ''زبان ایک زندہ یا نامی پیکر ہے جس میں تغیر اور افزائش کا عمل برابر ہوتا رہتا ہے۔ لہجہ، تلفظ، محاورہ عام حالات میں بھی قابلِ تغیر چیزیں ہیں۔ بیرونی اثرات وعوامل اس تغیر میں اور بھی

اضافہ کر سکتے ہیں، بعض نئے الفاظ داخل اور بعض پرانے الفاظ ترک ہوتے رہتے ہیں۔ اظہار کے نئے پیرائے، نئے محاورے اور نئی اصطلاحیں ضرورت کے تقاضے سے خود بخود وضع ہوتی رہتی ہیں۔ سماجی تبدیلیاں اور سیاسی انقلاب زبان کے حق میں بڑے دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ مختلف قوموں، گروہوں یا تہذیبوں کے اختلاط سے جو ذہنی وسماجی نتائج پیدا ہوتے ہیں زبان ان کی پوری عکاسی کرتی ہے۔۔۔ یہ بات کہ برطانوی اقتدار کے سبب اردو میں بے شمار انگریزی لفظ درآئے ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن ہم اس تلخ احساس کو فراموش نہیں کر سکتے کہ اس افزائش کے ساتھ اردو کے اپنے بہت سے الفاظ نامرادانہ تلف ہوئے، قومی شخصیت میں مشاہدے اور تفکر کے ساتھ تدبر بھی شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے لسانی مسئلے کو اپنے مخصوص قومی نقطہ نظر سے دیکھنا ہے نہ کہ صرف طالب علمانہ نظر سے۔ البتہ حقائق کا صحیح شعور اور ذہنی وجذباتی توازن ضروری ہے۔۔۔''۔[۱۴]

اردو زبان کی ہمہ گیری، جذبیت اور اردو میں علاقائی الفاظ کی شمولیت کے مسئلے پر حقی صاحب کا استدلال دیکھیے:

''اردو کی سب سے بڑی خصوصیت جو اب تک اس کی بقاء کی ضامن رہی وہ اس کی رواداری ہے۔ ہم کہا کرتے ہیں کہ یہ ایک ست بھیچڑی بولی ہے، ایک مخلوط زبان ہے۔ اس میں یہ صلاحیت ہے کہ ہر ذریعے سے استفادہ کر سکتی ہے، ہر لفظ کو اپنا لیتی ہے، اسی لیے اس میں ایک ایک چیز کے کئی نام ہیں۔ ایک ہندی کا، ایک فارسی کا، ایک عربی کا، ایک ایک بات کے کئی پیرائے ہیں، ایسی رواداری تھی تبھی تو وہ اتنی مقبول ہو سکی''۔[۱۵]

لغت میں امثال کے درج کرنے کے بارے میں وضاحت اور اس کی تفہیم پر لکھتے ہیں:

''بعض اصحاب نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہمارے لغت میں مثالیں ضرورت سے زیادہ درج کی جاتی ہیں۔۔۔ ہم نے اس سے بیشتر بھی اس بارے میں اظہار خیال کیا تھا، یعنی لغت نویس کی نظر میں لفظ کے کئی پہلو ہوتے ہیں، اس کی اصل واشتقاق، تلفظ، املا، معنی اور بعض صورتوں میں ان کی عہد بہ عہد تبدیلیاں، پھر لفظ کے مروجہ معنی اور محلِ استعمال، ان سب کی وضاحت کے بعد بھی ایک کمی رہ جاتی ہے جسے یہ مثالیں ہی پورا کر سکتی ہیں یعنی اس لفظ کو نظم ونثر میں کس کس طرح برتا گیا ہے اور بعض مخصوص یا مشہور عبارتوں میں استعمال ہونے سے اس کے مفہوم یا تاثیر میں کیا اضافہ ہوا ہے۔ لغت نویس تو اہل زبان کی روش کے پابند ہوتے ہیں، اپنی طرف سے اضافے کے مجاز نہیں ہوتے، لیکن بولنے والے خصوصاً اہل تخلیق الفاظ کو برابر بگاڑتے، سنوارتے یا مارتے اور جلاتے رہتے ہیں۔ کسی خاص موقع پر یا کسی اہم ادبی تخلیق میں کسی لفظ کے واقع ہونے سے اس کے ساتھ کچھ ذہنی تلازمے یا خیالات کے سلسلے وابستہ ہو جاتے ہیں جو اس کے لغوی معنی پر مستزاد ہوتے ہیں۔''[۱۶]

حقی صاحب نے ایک کامیاب مدیر کی طرح اردو نامہ کے لیے ملک بھر کے ممتاز اہل قلم سے تسلسل کے ساتھ علمی و تحقیقی نگارشات تخلیق کروائیں جس سے ادب کی دیگر اصناف کے فروغ کے ساتھ اردو نامہ کا حلقۂ مطالعہ بھی وسعت پذیر ہوا۔

اردو نامہ کی کہکشاں، ابن انشاء، ابوسلمان شاہ جہاں پوری، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر اسلم فرخی، اعجاز الحق قدوسی، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، محمد ایوب قادری، ڈاکٹر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر جمیل جالبی، جمیل الدین عالؔی، جوشؔ ملیح آبادی، مولانا حامد حسن قادری، علامہ نیاز فتح پوری، خواجہ حمید الدین شاہد، رشید حسن خان، پیر حسام الدین راشدی، پیر محمد علی راشدی، ڈاکٹر سید محی الدین زورؔ، سخاوت مرزا، ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر آمنہ خاتون، وارث سرہندی، شاہد احمد دہلوی، پروفیسر شفقت رضوی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، مولانا عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عترت حسین زبیری، عبدالرؤف عروجؔ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، فضل احمد کریم فضلی، ڈاکٹر گیان چند، مولانا ماہر القادری، محمد زکریا مائل، مشفق خواجہ، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ممتاز حسن احسن، نادم سیتاپوری، نسیم امروہوی، مرزا نسیم بیگ، ڈاکٹر وفا راشدی، سید یوسف بخاری دہلوی، سید ہاشم رضا اور سید ہاشمی فرید آبادی جیسے دمکتے ستاروں سے جگمگا رہی تھی۔

مدیر اعلیٰ اردو نامہ شاعر انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی کے بارے میں حقی صاحب اپنی خودنوشت کی قسط نمبر ۳۱ کے صفحہ نمبر ۲۲ پر انکشاف کرتے ہیں کہ:

> ''اردو نامہ پر میں جوشؔ صاحب کا نام بطور مدیر اعلیٰ چھاپتا رہا کہ یہ دونوں کے لیے مفید تھا۔ عملاً جوشؔ صاحب رسالے سے بالکل بے تعلق رہے، انہوں نے کبھی اس کے لیے ایک سطر بھی نہیں لکھی''۔ ۱۷

'اردو نامہ' میں صحافتی کارگزاری کے بارے میں حقی صاحب بیان کرتے ہیں:

> ''اردو نامہ کا اداریہ میں نے مسلسل اپنے قلم سے لکھا۔ اس میں لغت کے بہت سے مسائل زیر بحث آئے، میرا مقصد یہ تھا کہ ان مسائل پر علمی حلقوں سے استصواب کیا جائے، اور ہم پر یہ الزام نہ آئے کہ ہم من مانی کرتے اور کلھیا میں گڑ پھوڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ لغت کی جس قدر اصلاح ممکن ہو طباعت سے پہلے ہی ہو جائے، اور یہ ایک قومی مہم اور قومی کارنامہ بن جائے۔۔۔ ہندوستان کے دوروں میں معلوم ہوا کہ وہاں بھی لوگ 'اردو نامہ' کو یاد کرتے ہیں، جنہیں یہ اعزازی طور پر بھیجا جاتا تھا۔ ظ۔ انصاری مرحوم نے مجھے لکھا کہ میرے پاس اردو نامہ کے سب پرچے موجود ہیں، صرف پہلا شمارہ نہیں ہے، وہ بھجوا دیں تو میرا فائل مکمل ہو جائے۔۔۔ ۱۸ جو برسوں قسط وار[۲۴، اقساط] چھپتی رہی۔ قیصری بیگم مولوی نذیر احمد کی نواسی بڑی فاضلہ خاتون اور بڑی اچھی زبان دہ غنغ تھیں۔ اس وقت اَسّی کے پیٹے میں تھیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان قسطوں کی ہی خاطر جی رہی تھیں۔ ان کے بند ہونے کے فوراً ہی ان کا

انتقال ہو گیا۔ 'کتابِ زندگی' بڑے شوق سے پڑھی جاتی تھی۔ ابوالفضل صدیقی کا طویل افسانہ 'چڑھتا سورج' بھی جو ہم نے چھاپا، فنی لغات سے مالا مال تھا۔ مولانا عبدالعزیز میمن کے خطباتِ عربی لغت نگاری کی تاریخ پہ جو انھوں نے بورڈ میں دیے، قسط وار چھپتے رہے''۔[۱۹]

اردو نامہ میں دیگر اہم نگارشات جو حقی صاحب کی فرمائش پر سپردِ قلم ہوئیں، ان میں خاص کر اجزائے لغت پر وارث سرہندی اور ڈاکٹر آمنہ خاتون کے مضامین انتہائی عالمانہ ہیں۔ شمارہ نمبر ۵ اور نمبر ۹ میں مرزا ہادی رسوا کی دو مثنویاں 'امید و بیم' اور 'نوبہار، غنچۂ نونہال؟ شمارہ نمبر ۱۶ تا نمبر ۲۰ میں ڈاکٹر آغا افتخار حسن کا مرتبہ 'آئینۂ ادب' جو مختلف رسائل کے منتخب تنقیدی و تحقیقی مقالات کا اشاریہ ہے۔ جبکہ شمارہ نمبر ۷/ مارچ ۱۹۶۲ء سے اردو لغت جلد اول تقطیع الف مقصورہ کا مسودہ پینتالیس (۴۵) اقساط میں آخری شمارہ نمبر ۵۴ (اپریل ۱۹۷۷ء) تک شاملِ اشاعت رہا۔

'اردو نامہ' کے پُر مغز اداریے تین عالمانہ مضامین 'اردو الفاظ کی رومن املا' (دو اقساط) شمارہ نمبر ۳، شمارہ نمبر ۴ 'غالب کے مرغوب استعارے' شمارہ نمبر ۳۳ 'نادرۂ روزگار قطعات، رئیس امروہوی کا ایک جائزہ' شمارہ نمبر ۳۹ اور انیس کی ڈرامہ نگاری شمارہ نمبر ۴۱، لغت کے ضمن میں دو علمی و تحقیقی مقالے، 'اصول ترتیبِ الفاظ'، شمارہ نمبر ۱، 'اخذِ الفاظ و اسناد کی فہم' شمارہ نمبر ۴، نادرات میں 'ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی بیاضِ شاعری'، شمارہ نمبر ۱۷، آٹھ غزلیات اور نقد میں بہتر (۷۲) کتب پر تبصرے، حقی صاحب کی صحافتی فعالیت کی دلیل ہیں۔ اردو نامہ کے اختصاص کے بارے میں حقی صاحب لکھتے ہیں:

''اردو صحافت کی تاریخ میں میری ناقص معلومات کی حد تک 'اردو نامہ' زبان و مسائلِ زبان سے تعلق رکھنے والا واحد جریدہ تھا''۔[۲۰]

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو نامہ کے علمی، لسانی اور تحقیقی معیار کو برقرار رکھنے میں حقی صاحب کی شبانہ روز کاوشوں کا دخل ہے جس کی بنا پر علمی و ادبی حلقوں میں اس جریدے کو بے مثل پذیرائی حاصل ہوئی اور لسانیات پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے 'اردو نامہ' آج بھی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(ii) ماہنامہ 'ماہِ نو'[۲۱] کراچی

ماہنامہ ماہِ نو کراچی وفاقی حکومت کی وزارتِ اطلاعات و نشریات کے محکمے فلمز اینڈ پبلی کیشنز کے تحت ۱۹۴۸ء میں سید وقار عظیم کی ادارت میں ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی سے جاری ہوا۔ یہ پرچہ اب لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔ ''حکومت کی نگرانی اور پالیسی کی پابندی میں رہنے کے باوجود سید وقار عظیم نے اس کی ادبی جہت کا تعین کر کے اسے ایک قومی پرچہ بنا دیا''[۲۲] سید وقار عظیم فروری ۱۹۵۰ء تک مدیر رہے، اس کے بعد مارچ ۱۹۵۰ء میں محمد حسن عسکری کی ادارت میں 'ماہِ نو' کا خاص شمارہ 'ایران نمبر' شائع ہوا[۲۳] پھر بالترتیب فضل قریشی مدیر، رفیق خاور مشیر اور شان الحق حقی 'ماہِ نو' کے نگران ہوئے۔ اس بارے میں حقی صاحب لکھتے ہیں:

''میرا سابقہ اپنے محکمے (فلمز اینڈ پبلی کیشنز) کے جرائد سے پڑا۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۸ء تک

دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ رسائل بھی میری نگرانی میں رہے۔ اردو ماہِ نو کے علاوہ فارسی، عربی، سندھی، پشتو رسائل کی عمومی نگرانی بھی میرے ذمہ تھی۔ اگرچہ ان رسائل کے لائق مدیران مثلاً مولانا عابد الشبر (مدیر ہلال) اور مولوی عبدالواحد سندھی بڑی اہل شخصیات تھیں۔ عربی کا اُلوعی کاملاً السید صلاح الدین کے ذمہ تھا جو عراقی نژاد صحافی تھے اور بہت پسندیدہ فضائل کے انسان تھے۔ مولوی عبدالواحد اور جامعہ ملّیہ دہلی کے فارغ التحصیل سندھی اور اردو میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ اردو میں ان کا بچوں کے لیے لکھی ہوئی کتابوں کا سلسلہ جو پہلے جامعہ سے چھپا، بہت مقبول ہوا''۔۲۴

حقی صاحب ماہِ نو سے وابستگی ۲۵ کا احوال یوں لکھتے ہیں:

''دراصل میرا تعلق اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور پھر ڈپٹی ڈائریکٹر کے طور پر زیادہ عرصے تک اشتہارات یا بیرونی پبلسٹی سے تھا۔ رسائل زیادہ عرصے یونہی میرے ذمے ہو گئے تھے، ہوا یہ کہ جو صاحب رسائل سے تعلق رکھتے تھے، ان کی مدیران سے نہیں بنتی تھی۔''۲۶

حقی صاحب مدیرِ اعلیٰ بننے کا ماجرا کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ماہِ نو کی نگرانی کے زمانے میں اس رسالے کی ترتیب و ادارت سے قریبی تعلق رہا۔ مدیر رفیق خاور تھے۔ عزیز احمد صاحب محکمے کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ رسالے پر میرا نام مدیرِ اعلیٰ کے طور پر چھپنا چاہیے، ہر دفعہ پرچہ چھپ کر آتا تو وہ اس فرو گذاشت پر توجہ دلاتے مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا، میرا خیال تھا کہ اس سے رفیق خاور کی دل آزاری ہوگی''۔۲۷

مندرجہ بالا دونوں بیان اس بات کے غماز ہیں کہ تقریباً دس سال ۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۵ء حقی صاحب نے ماہِ نو کے معاملات میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، کچھ اپنی انکساری اور کچھ دیگر سرکاری مصروفیات کے بناء پر حقی صاحب مدیرِ اعلیٰ کے طور پر اپنے نام کا اظہار نہیں چاہتے تھے لیکن ڈائریکٹر عزیز احمد کے شدید دباؤ پر انہوں نے حکمِ حاکم سرِ تسلیم خم کے مصداق مدیرِ اعلیٰ بننا قبول کیا۔

حقی صاحب کا نام بحیثیت مدیرِ اعلیٰ ماہِ نو اکتوبر ۱۹۶۵ء (جلد نمبر ۱۰، شمارہ نمبر ۱۰) کے پرچے پر شائع ہوا جبکہ مشیر رفیق خاور، مدیر ظفر قریشی اور نائب مدیر وصی احمد تھے۔ ماہِ نو اکتوبر کا شمارہ اشاعتِ خاص تھی، جس میں جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء اور دفاعِ پاکستان کے حوالے سے اہم مواد شامل کیا گیا تھا۔ رفیق خاور بطور مشیر جنوری ۱۹۶۷ء اور مدیر ظفر قریشی جولائی ۱۹۶۷ء میں مجلس ادارت سے سبکدوش ہوئے جبکہ اگست ۱۹۶۷ء سے دسمبر ۱۹۶۷ء تک ڈاکٹر یاسین رضوی، مدیر اور اس کے بعد جنوری ۱۹۶۷ء سے فضل قدیر نے مدیر کی حیثیت سے حقی صاحب کے ساتھ جون ۱۹۶۹ء تک کام کیا۔ مدیرِ اعلیٰ کے طور پر حقی صاحب کی ادارت میں ماہ نو کے کل ۴۳ شمارے جن میں دو پرچے اگست/ستمبر ۶۸ اور جنوری/فروری ۱۹۶۹ء مشترکہ جبکہ اشاعت خاص (دفاعِ پاکستان/ جنگ ستمبر ۶۵ کے تناظر میں)

اکتوبر ۱۹۶۵ء، تحریک پاکستان مارچ ۱۹۶۶ء، اشاعتِ خاص' قیام پاکستان ۲۰ سال پر'، 'تحریک پاکستان' مارچ ۱۹۶۸ء، 'استقلال نمبر' اگست ۱۹۶۸ء اور 'خاص نمبر'، اکتوبر ۱۹۶۸ء، سات خصوصی شماروں کے علاوہ ہر سال علامہ اقبالؔ، مرزا غالبؔ اور اکبرؔ الہ آبادی پر فروری، اپریل اور اکتوبر میں مخصوص گوشے شائع ہوئے۔ 'ماہِ نو' میں حقی صاحب (ش ح) کے نام سے 'آپس کی باتیں' کے عنوان سے اداریے لکھتے اور فکری مباحث کو چھیڑتے تھے۔ جبکہ اسی دوران ابتدائیہ کے تحت چند اداریے مدیر فضل قدیر نے بھی لکھے۔

اداریہ 'آپس کی باتیں' میں حقی صاحب کا انداز ملاحظہ کیجیے:

''زندگی آزمائشوں کا نام ہے، ہماری قوم کے لیے بھی آزادی کا حصول آزمائشوں کا ایک نیا باب تھا۔ سب سے بڑی آزمائش کی گھڑی وہ تھی جو ۶ رستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح کو پیش آئی، بعض لمحے قوموں کی زندگی میں بے قیاس اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، ایسے ہی لمحوں کو جاوداں کہا جاتا ہے۔ اس ایک نازک لمحے نے ہماری روح کو بیدار اور ہماری قوت کو کردار کو ثابت کر دیا۔ دشمن نے ہمارے سینے پر خنجر رکھا اور ہمارے دل وجگر کا نشانہ لیا تھا۔ اسے خبر نہ تھی کہ ہمارے سب سے مضبوط مورچے وہی تھے جہاں حملے کے وقت کوئی فوج موجود نہ تھی۔ اب ہمیں اپنی خود اعتمادی کو اُکسانے کے لیے ماضی کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ ایک گہری نفسیاتی تبدیلی ہے جس کے لیے کسی ایسے ہی حادثے کی ضرورت تھی۔'' ۲۸

حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں حقی صاحب 'آپس کی باتیں' میں رقم طراز ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ قائداعظم اپنی ہٹ کے بڑے پکے تھے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ پاکستان کا وجود اسی ہٹ کے طفیل ممکن ہو سکا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کی پُر پیچ سیاست میں کتنے ہی ایسے مقام آئے جہاں بڑے بڑے حوصلہ مندوں کے لیے بساطِ سیاست پر قدم جمائے رکھنا مشکل تھا۔ پاکستان کا تصور کسی وقت بھی اندرونی اختلاف رائے یا بیرونی اثر اور دباؤ کی نذر ہو سکتا تھا۔ مہاتما گاندھی کے غیر معمولی زورِ شخصیت اور کانگریس کے دبدبے سے لے کر برطانوی اعلیٰ اقتدار تک ہر دباؤ بے پناہ تھا۔ قائداعظم اگر قائداعظم نہ ہوتے تو کیا عجب تھا کہ پاکستان بمبئی میں گاندھی جناح مذاکرات کے مابین رفت گزشت ہو جاتا یا لاہور میں یونینسٹ پارٹی کی سیاست اسے نسیاً منسیاً کر دیتی یا عبوری حکومت کی تشکیل کے وقت ایک آدھ قلمدان کے بدلے بک جاتا، یا کوئی برطانوی مشن اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک کر چل دیتا۔ جو ضد اور ہٹ قائداعظم سے منسوب کی جاتی ہے وہ اہل سیاست کی شان نہیں ہوتی، یہ صرف ایک بااصول اور باکردار انسان، ایک مردِ مومن کی ہی شان ہو سکتی ہے، قائداعظم کی یہ شان ان کی تمام زندگی میں نمایاں ہے''۔ ۲۹

حقی صاحب اپنے اداریے میں ادب کے فکری مباحث کو چھیڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ادب برائے ادب اور ادب برائے حیات کے مسئلے پر اب سے پہلے بڑے قلمی طوفان اٹھ چکے ہیں، بعض دوسرے نظریاتی مباحث کی طرح یہ بھی ایک طرح کا خلط مبحث تھا۔ جو ادب زندگی کی طرف سے آنکھیں بند کرے وہ زندگی کو کیوں کر قبول ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف جو تحریر ادب کے لازمی تقاضوں کو پورا نہ کرے اسے ادب کیوں کر کہا جا سکتا ہے، اور اس کی تاثیر یا مقبولیت کی کیا ضمانت ہوسکتی ہے۔ ادب کے لازمی تقاضے کیا ہیں اور زندگی سے ادب کے تعلق کی نوعیت کیا ہے یہ طویل بحث ہے، مگر ایسی پیچیدہ بات نہیں جسے سلجھایا نہ جا سکے۔ اس وقت جبکہ یہ مسئلہ شد و مد کے ساتھ چھڑا تھا، پیچ دراصل یوں پیدا ہوا کہ ایک گروہ ادب کو مخصوص سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات اور لحاظ سے اچھی ہو یا بری، اصولاً اس لیے غلط تھی کہ اگر ادب کو ایک مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے تو دوسرے مقصد کے لیے بھی ضرور استعمال کیا جائے گا اور پھر ادب پر مقصدیت ہی حاوی ہو جائے گی۔ علم کی طرح ادب کے لیے بھی پہلی شرط خیال اور اظہار کی آزادی ہے''۔۳۰

حقی صاحب کے تمام اداریے کسی نہ کسی اہم نظریاتی، سیاسی، حکومتی فکر اور ادبی زاویہ کا آسان و سلیس پیرایے میں اظہار اور قاری کی فکر کو متحرک کرنے کا سبب ہیں۔ انہوں نے ملکی و علاقائی ادب کے ساتھ غیر ملکی ادب کے تراجم کا سلسلہ بھی شروع کیا جس نے اس رسالے کی اہمیت کو دو چند کر دیا۔ حقی صاحب نے پرچے میں شاعری کے معیار کو بھی ملحوظ رکھا اور اعلیٰ نمونے بھی پیش کیے۔ ماہِ نو میں شائع ہونے والی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۰ء تک کی غزل کے مطالعہ کے بعد جہاں اس میں موضوعات کا تنوع دکھائی دیتا ہے وہاں یہ غزل اپنے اندر مکمل سیاسی و سماجی تاریخ بھی لیے ہوئے ہے۔

کسی سرکاری پرچے کا ادبی ہونا محالات میں سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی۔ بازار میں مجمع گیروں کو دیکھا ہے کہ جب تک اپنی چٹ پٹی داستان اور اشعار آبدار سناتے ہیں، تماشائی جوق در جوق اُمڈتے آتے ہیں، جونہی حرفِ مطلب زبان پر آیا اور سنیاسی بابا نے ممیرے کا سرمہ دکھایا اور لوگ تتّر بتّر ہونا شروع ہوئے۔ 'ماہِ نو' کی خوبی رہی ہے کہ یہ قومی تعمیر کی راہ بھی دکھاتا اور رنگارنگ ادبی تخلیقات میں بہت سے معاصرین رسائل کو نیچا دکھاتا ہے۔ اس میں حقی صاحب کی صحافتی صلاحیتوں کا بڑا دخل ہے۔ انہوں نے جو خالص ادبی اور خصوصی نمبر شائع کیے وہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے لائقِ ستائش تھے۔

حقی صاحب کی ماہِ نو میں ادارت پاکستان میں انقلاب (فوجی) اور اس کے بعد کے اہم دور پر محیط ہے۔ ۱۹۵۸ء تک نئے تقاضے، نئے مسائل، نئے روابط، نئی مفاہمتیں ان کی پختہ و پنختہ سے ادب و فن اور فکر و خیال خود بخود ایک نئے سانچے میں ڈھل گئے اور نشو و نما کے خطوط اور رجحانات کی داغ بیل پڑی اور ابتدائی گومگو کے برعکس حالات کے نقوش مستقبل پر پھیلتے ہوئے نظر آنے لگے، جیسے حال کی جولانیاں آنے والے دور کی طرف کارفرما ہوں۔ چنانچہ علاقائی زبانوں، ثقافتوں، دلچسپیوں اور سرگرمیوں نے جو نیا خمیر تیار کیا وہ حقی صاحب کی ادارتی وصف

کا نمایاں اظہار ہے۔

دورِ انقلاب اور اس کے بعد جو نیا دور طلوع ہوا اس میں صرف سابقہ تحریکات ہی پوری طرح بروئے کار نہیں آئیں بلکہ اس سے ادب و فن، فکر و خیال میں بھی ارتعاش پیدا ہوا جن سے تمام دیرینہ و نو مسائل نے مجتمع ہو کر ایک بدرجہا زیادہ نمایاں صورت اختیار کی۔ حقی صاحب کی ادارت میں ماہِ نو ایک ملّی رسالہ اور پاکستان کی آواز بنا۔ اس لیے یہ ملک کے ہر حصے، ہر گوشے، ہر پہلو، ہر عنصر، ہر فرد، ہر جماعت سے متعلق تمام قومی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا آئینہ دار تھا۔ قومی زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی کا ذریعہ، خواہ وہ داخلی ہوں یا خارجی، اندرونی ہوں یا بیرونی، صوبائی ہوں یا وفاقی بیک وقت حیاتِ ملّیہ کو نمود اور نمو دینے کا ذریعہ، ہر ایک معاملے میں یکجہتی کا عکس، اس لیے چھوٹے بڑے مقامات ہوں یا وسیع و عریض علاقہ جات، پرانی بستیاں ہوں یا نوآبادیاں، دشت و صحرا ہوں یا دریا و کوہسار، واقعات ہوں یا مسائل اور تقاضے، ماضی ہو یا حال یا مستقبل، تاریخ ہو یا ثقافت، جماعتیں ہوں یا افراد، اکثریت ہو یا اقلیت، جمالیات ہو یا ادبیات، دین و مذہب ہو یا معاشیات و سیاست، ملکی معاملہ ہو یا بین الاقوامی روابط، مشاہیر ہوں یا تحریکات، خصوصاً تحریک آزادی اور تحریک پاکستان، منصوبہ بندی ہو یا تعمیر و ترقی، قدیم روایات و اقدار ہوں یا نئے شعائر اور نظریات، پرانے عناصر ہوں یا نئے جوہر، ان کی دریافت ان کی نمود، ان کی نشوونما، اپنی ادارت میں ان سب کو حقی صاحب نے ماہِ نو کا مرکز و محور اور مطلوب و مقصود رکھا۔ اس لحاظ سے انھوں نے رسالہ کا منصب محض صحافتی نہیں بلکہ خالص ادبی، تخلیقی اور حرکیاتی بنایا۔ یہ تمام قوم کے لیے مسائل و معاملات پر غور و خوض اور تبادلۂ خیال کا میدان مہیا کرتا، تاکہ ان سے پوری پوری آگہی ہو، ان کے حل دریافت کیے جائیں اور ان کو عملاً زندگی میں شامل کیا جا سکے۔

ماہِ نو کے تناظر میں حقی صاحب کی صحافت کو صرف علمی، ادبی، تخلیقی مقصدی سمجھتے ہوئے اس کا جائزہ درست نہ ہوگا۔ خالص معلوماتی، علمی و ادبی رسالے محض دنیا کے فکر و خیال سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس کا سروکار تمام تر زندگی سے نہیں ہوتا۔ جب کہ حقی صاحب کی صحافت کی بنیادی خصوصیت تنوع ہے، جاندار اور متحرک۔ علم، ادب، تحقیق، یادرفتگاں، قصۂ پارینہ ماہِ نو کا محض ایک حصہ رہا ہے۔ جس حد تک علم و ادب، تاریخ و تحقیق اس کے دائرہ میں شامل رہیں ان میں کثیف سے زیادہ کیف کا عنصر غالب رہا اور یہ حقی صاحب کی پیشہ ورانہ صحافت کا ایجاز ہے کہ انھوں نے 'ماہِ نو' کو 'ہرچہ گرید مختصر گرید کے ساتھ ہرچہ گیرید معتبر گرید' غغ بنایا تاکہ یہ ادب و زندگی دونوں کا بہترین صحیفہ بن سکے۔ اس طرح انھوں نے جو نتائج ضخیم خالصتاً علمی و ادبی رسائل و جرائد سے بھی ممکن نہ ہوں، وہ اس ایجاز سے حاصل کیے۔

حقی صاحب نے اس کی ادارت کے دوران کامیابی سے ایسے تجربوں کا سلسلہ جاری رکھا، جن سے یہ صحافت کے تازہ بہ تازہ تقاضوں کے ساتھ شعر و ادب، فن و حکمت، تکنیک اور پیش کش کے اعتبار سے منفرد لگے۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ پاکستانیت کے حوالے سے ہر موضوع اور مسئلہ اس میں شامل کیا جائے، ساتھ ہی تحریک پاکستان اور قیام پاکستان سے پہلے جدوجہد آزادی میں شریک ممتاز شخصیات پر خصوصی توجہ دی۔ مثلاً اورنگ

زیب عالمگیر جیسا عادل حکمراں، ٹیپو سلطان اور نواب سراج الدولہ جیسے مجاہد، حضرت سید احمد شہیدؒ جیسا دعوتِ جہاد کا داعی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا سربراہ، غالبؔ جیسا ذہنی انقلاب کا محرّک یا سر سید احمد خان جیسا مذہبی، سیاسی اور معاشرتی انقلاب کا بانی، الطاف حسین حالیؔ جیسا نشاۃ الثانیہ کا نقیب، اکبرؔ الہ آبادی جیسا روایاتِ کہن کا محافظ، اقبالؔ جیسا تصورِ پاکستان کا خالق اور قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسا مردِ عمل جس نے پاکستان کو ایک حقیقت بنایا۔

حقی صاحب نے ماہِ نو میں تسلسل کے ساتھ مشاہیرِ علم و ادب، امام غزالیؒ، سید احمد شہیدؒ، مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا حسرتؔ موہانی اور ان کے پیشرو اکابر، شاہ عبدالطیف بھٹائی، سچلؔ سرمست، رحمانؔ بابا، وارثؔ شاہ، بلھےؔ شاہ، خواجہ فریدؒ، سید شاہ جلال جیسے بزرگوں، ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں نامور مقالہ نگاروں کی نگارشات شائع کیں۔ ادبی حلقوں میں بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے کہ شاہ عبدالطیف بھٹائی کے 'شاہ جو سالو' اور وارث شاہ کی معرکہ آرا تصنیف 'ہیر رانجھا' کے تراجم کو اسی بحر اور صنف میں پیش کرنے کا شرف ماہِ نو کے حصے میں حقی صاحب کی وجہ سے آیا۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ علاقائی ادب (گیت، قصے، کہانی) مشاہیر اور ثقافت کو پوری جامعیت کے ساتھ اردو ادب کا سرمایہ بنانے میں حقی صاحب کا کلیدی کردار رہا ہے۔

صحافت میں نئے نئے ادبی تجربات سے حقی صاحب نے ادب کے نئے افق دریافت کیے۔ مسلسل ناول، فکاہیہ، نئی اصناف کی ترویج میں غنائیہ، ترتیل، تصوریہ، مذاکرے، رپوتاژ، ترتیلی و یک بابی منظوم ڈرامے، سہ حرفی، دو بحرین (ایک نظم دو مختلف بحروں میں) اور فکاہی فیچر جن کی بے پناہ نشتریت کارٹون اور تصاویر سے بھی زیادہ گہری اور تیز تھی۔ یہ تمام چیزیں پاکستانی ادب ہی نہیں بلکہ اردو ادب میں بھی نئے اضافے کا سبب بنیں۔

حقی صاحب نے متن کی طرح تصاویر میں بھی حسن کاری کو مقدم رکھا جو ماہِ نو کا طُرّہ امتیاز رہا۔ یہ بات کارٹون اور فکاہیہ فیچر کے متعلق وثوق سے کہی جا سکتی ہے۔ حقی صاحب نے اپنے تخیل کو ماہِ نو میں تخلیقی پیراہن سے آراستہ کرتے ہوئے صحافت کو ادب کا روپ عطا کیا۔ صحافت یا ادب کا مقصدیت کے ساتھ فنی جزئیات کو پورا کرنا ایک مشکل عمل ہے مگر حقی صاحب اس کلیہ کی استثنا روشن مثال ہیں۔ خالص لسانی اور تحقیقی مسائل پر جو مباحث انھوں نے شائع کیے وہ اس حقیقت کے بخوبی آئینہ دار ہیں کہ انہیں صحافت کے رموز کو ادب سے آشنا کرنے کا رمز آتا تھا۔

کسی پرچے کی ادارت جز وقتی نہیں کل وقتی کا تقاضا رکھتی ہے اور ایک مدیر کے لیے جس کے ذمہ دیگر کارِ سرکار بھی انتہائی اہم ہوں۔ ایسے میں یہ ایک مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے، سرکاری پرچہ ہونے کے ناطے حقی صاحب کے لیے ادارت مجاہدے سے کم نہ تھی، ذرا سی کوتاہی بھی سرکاری غضب کا سبب بن سکتی تھی۔ حقی صاحب نے جس کمال مہارت سے ادارت کو نبھایا وہ قابل تحسین ہے۔ آپ بنیادی طور پر شاعری کی طرف رغبت رکھنے کے باوجود اصناف ادب کی ہر جہت اور اس کی ہر نازکی سے خوب واقف تھے۔ لسانیات پر عبور ورثہ تھا۔ انھوں نے کسی خاص نظریات کے پرچار یا نظریاتی ادبا کے گروہ کے فروغ کو کبھی مقصد نہ بننے دیا۔ حقی صاحب کے زمانۂ ادارت میں ایسے قلم کاروں کی تخلیقات بھی 'ماہ نو' میں جگہ پاتی رہیں جو اپنے افکار کے حوالے سے حکومت مخالف شمار ہوتے

تھے، مثلاً فیضؔ، انھوں نے نئے اور پرانے تمام لکھنے والوں کو خاص تناسب سے ماہ نو میں شامل رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ادباء شعراء کے تمام طبقات میں قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا۔ انھوں نے کوشش کی کہ ادب کو باہمی محبت اور وحدت ملک کا نقیب ہونا چاہیے اسی وجہ سے ماہِ نو میں علاقائی ادب قومی زبان اردو میں منتقل ہوا۔ حقی صاحب کی ادارتی صفات کو پرکھنے کے لیے ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے کسوٹی ہے:

> ''میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی ادبی جریدہ کو اس کے مدیر کی شخصیت (اگر تخلیقی شخصیت ہو تو اور بھی بہتر ہے) بلکہ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کی شخصیت کے برتر پہلوؤں کا مظہر اور عکاس ہونا چاہیے، مختلف ادبی جرائد کے انداز و اسلوب میں جو تنوع ملتا ہے یا وہ اچھے برے، بے معنی پُر معنی، رجحان ساز اور پیش رو نظر آتے ہیں تو اس کا ایک بڑا سبب مدیر کی اپنی شخصیت بھی ہوتی ہے بلکہ میں تو اس حد تک جانے کو تیار ہوں کہ پرچہ مدیر کی شخصیت کی توسیع ہوتا ہے''۔[۳۱]

'ماہِ نو' کیوں کہ سرکاری پرچہ تھا، اس لیے مالی مشکلات کے سبب اصولوں سے ہٹنے کا کوئی خدشہ حقی صاحب کو درپیش نہ تھا۔ اس لیے اس کی ترویج و اشاعت کا مقصد تعمیری ادب کی تخلیق و فروغ رہا۔

سہ ماہی اردو نامہ اور ماہنامہ ماہِ نو ہی حقی صاحب کی صحافت کا اصل حوالہ ہیں۔ پندرہ روزہ 'آج کل' دہلی، ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، شش ماہی غالبؔ کراچی، مجلّہ، تخلیق کراچی جبکہ روزنامہ حریت، مشرق، انجام اور ڈان (انگریزی) کراچی سے حقی صاحب کی وابستگی نائب مدیر، رکن مجلسِ مشاورت اور کالم و مضمون نگار کے انتہائی مختصر اور اعزازی رہی۔

(iii) پندرہ روزہ آج کل، دہلی

پندرہ روزہ آج کل میں ملازمت کے بارے میں حقی صاحب لکھتے ہیں:

> ''مانیٹرنگ آفس شملہ ۔۔۔ ایک دن بابو میلا رام سپرنٹنڈنٹ نے چپکے سے کان میں کہا؛ استعفیٰ دے کر چلے جاؤ تمہارا نام گزٹ میں آ گیا ہے اور ہمارے پاس نقل پہنچ گئی ہے، یہاں اب تم نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ہم نے استعفیٰ دے دیا۔۔۔ کچھ دن بعد جذبیؔ نے لکھا میں 'آجکل' سے جا رہا ہوں تمہیں رکھوائے دیتا ہوں، فوراً چلے آؤ! اب ہم 'آجکل' میں اسسٹنٹ ایڈیٹر ہو کر چپک گئے''۔[۳۲]

آج کل سرکاری سرپرستی میں 'ادارہ مطبوعات متحدہ' کے تحت ۲۵ر نومبر ۱۹۴۲ء کو دہلی سے آغا محمد یعقوب دواشی، بی اے، ایل ایل بی کی زیر صدارت شائع ہوا۔ جبکہ نائب مدیران میں معین احسن جذبیؔ[۳۳] اور شیش چندر سکسینہ طالبؔ دہلوی، بی اے تھے۔ مدیر اعلیٰ آغا محمد یعقوب دواشی کے بارے میں حقی صاحب رقم طراز ہیں:

> ''مجھ پر بے حد مہربان، وہ انگریزی اچھی لکھتے تھے۔ یہاں 'ڈان' اخبار میں بھی لیڈ رائٹر رہے مگر ان کے انگریزی مضامین اردو میں ترجمہ ہو کر چھپتے تھے جو میں کرتا تھا''۔[۳۴]

حقی صاحب کے بحیثیت نائب مدیر آج کل کا پہلا شمارہ یکم رجون ۱۹۴۳ء کو منظر عام پر آیا، اس کے صفحہ

نمبر۱۲ پر حقی صاحب کی نظم 'قلو بطرہ عالمِ یاس میں'، صفحہ نمبر ۲۸ پر افسانہ 'سہاگ مالا'۔۔۔ اور ایک مضمون سلمیٰ بیگم ایم اے (سلمیٰ حقی) کا 'اقبال کا نظریہ شعر و شاعری'، صفحہ نمبر۱۴ پر شاملِ اشاعت ہوا جبکہ دیگر قلمکاروں میں جگر مراد آبادی، تابش دہلوی، مہاراجہ سرکشن پرشاد، خواجہ حسن نظامی، ذکاء الملک، ڈاکٹر ایف ایم شجاع ناموس اور پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی شامل تھے۔ آج کل کے دوسرے شمارے میں شان الحق حقی بی اے ۳۵ کی غزل صفحہ نمبر۱۰، اور افسانہ 'اشتہار' صفحہ ۳۸، اور تیسرے شمارے میں مضمون 'آزاد نظم' صفحہ نمبر ۲۲ پر شائع ہوئے۔

آج کل کیوں کہ سرکاری مفادات کا محافظ تھا اس لیے اس کے اندر خالصتاً ادب پر مشتمل نگارشات شامل کی جاتی تھیں اور وہ بھی اس احتیاط سے کہ کوئی انگریز مخالف فکری نکتہ سامنے نہ آسکے۔ نائب مدیر کی حیثیت سے حقی صاحب کی ادارت کا دائرہ کار محدود اور آزادانہ تخلیقات کے انتخاب کا حق حاصل نہ تھا، صرف چھ شماروں کی اشاعت کے بعد ہی اگست ۱۹۴۳ء میں انھیں آج کل کی ملازمت جبراً چھوڑنی پڑی۔ اس بارے میں حقی صاحب نے لکھا:

> ''یہ دفتر بھی سرکاری تھا۔ میں نے چھ پرچے اس رسالے کے مرتب کیے تھے کہ افسرِ انتظامی فرید صاحب نے بلایا۔ وہ میری بے قاعدہ بھرتی پر خاصے پریشان تھے، انھوں نے بھی یہی کہا کہ چپکے سے استعفیٰ دے کر چلے جاؤ کہ ہماری بھی جان چھوٹے اور تمہاری بھی۔ آغا صاحب بے حد آزردہ ہوئے، واقعی رونکھے ہو گئے کہ یہ کیا علّت تمھارے پیچھے لگی ہوئی ہے، مگر اس کاٹے کا منتر ہی نہیں تھا، بعد میں وہاں اس جگہ پر وقار عظیم [ماہنامہ ماہ نو کراچی کے پہلے مدیر] آئے''۔۳۶

(iv) ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی

ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی سے حقی صاحب کا تعلق خوشگوار نہیں۔ آپ کبھی بھی پرچے سے باقاعدہ یا اعزازی طور پر منسلک نہیں رہے اور نہ ہی باقاعدگی سے قلمی معاونت کی۔ کیوں کہ اخبار جہاں کراچی میں 'مدیران خصوصی' کے طور پر حقی صاحب کا نام طبع ہوا ہے، اس لیے اس کا ذکر حقائق کی درستگی کے لیے ضروری ہے۔ اخبار جہاں جنگ لمٹیڈ برنس روڈ کراچی سے ۸؍جنوری ۱۹۶۷ء کو میر حبیب الرحمٰن (مدیر اعلیٰ) اور نذیر احمد ناجی (معاون مدیر) کی ادارت میں شائع ہوا۔ لیکن شمارہ نمبر۲ پر ۱۵؍جنوری کی تاریخ تو صحیح درج ہے مگر سال ۱۹۶۶ء شائع ہوا جو درست نہیں کیونکہ اخبار جہاں کا سالِ آغاز ۱۹۶۷ء ہے۔

اخبار جہاں کے شمارہ نمبر۲ میں، کالم 'آپ کے خط' میں حقی صاحب کا پیغامِ تہنیت 'افکار کی وسعت' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کے مندرجات یہ تھے:

> ''کسی قوم کی ترقی کا صحیح آئینہ اس کی زبان ہوتی ہے۔ فطری حالات میں کوئی قوم اتنی ہی ترقی یافتہ سمجھ جائے گی جتنی کہ اس کی زبان، قومی زبان کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا عکس زبان کے اندر نہ پایا جائے، الفاظ کی وسعت افکار کی وسعت سے عبارت ہوتی ہے۔ تصنیف و تالیف کا سرمایہ ذہنی و علمی سرگرمیوں کا خلاصہ اور قوتِ تخیل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ صحافت کا فروغ ذہنی

بیداری اور ایک پھلتے پھولتے معاشرے کا پتہ دیتا ہے''۔ ۳۷

میر حبیب الرحمٰن، مدیرِاعلیٰ نے' مدیرانِ خصوصی' میں شان الحق حقی کا نام بھی پیر علی محمد راشدی، جمیل الدین عالؔی، ابراہیم جلیس، احمد ندیم قاسمی، ابنِ انشاء، مشفق خواجہ، شفیع عقیل اور انعام درانی کے ساتھ شائع کیا۔ کیوں کہ حقی صاحب محکمہ اشتہارات واطلاعات کے ملازم تھے اور انھی کے فرائض میں اخبارات ورسائل کو اشتہارات کا اجراء کرنا شامل تھا۔ اس بناء پر حقی صاحب کو محکمانہ جواب طلبی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس حوالے سے جنوری ۱۹۶۷ء میں میر خلیل الرحمٰن، مالک و مدیر جنگ اور اخبار جہاں کے نام حقی صاحب کے خط میں' اخبار جہاں' کی وجہ سے اٹھائی جانے والی اذیت، بدنامی اور محکمانہ مشکلات کا اظہار ہے، وہیں' اخبار جہاں' کے منفی اندازِ صحافت کا بھی نوحہ لکھتے ہیں:

مشفقی میر صاحب، تسلیم

''آپ کے ادارے میں کسی صاحب نے میرے نام کے ساتھ جو شرارت کی ہے اس نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے، اٹھائی جائے اور نہ رکھی جائے ایسی ہی تہمت [کو] کہتے ہیں۔ میرے اپنے احباب تک شک کرنے لگے کہ ضرور دال میں کالا ہوگا، ورنہ کوئی ذمہ دار ادارہ اس طرح دھڑلے سے نام استعمال کرنے کی جرأت کیسے کرسکتا تھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اس نام کا مسمّی ایک سرکاری ملازم ہے اور محکمہ اشتہارات واطلاعات کا ذمہ دار افسر۔

میں نے اخبار جہاں کے اجراء پر ایک پیغام تہنیت، ادارے کے حسب فرمائش بھیج دیا تھا، بس اتنا ہی میرا قصور ہے۔ اس کے علاوہ نہ اب نہ کبھی پہلے آپ کے ادارے کے لیے کچھ لکھا، نہ میں نے فری لانسنگ اختیار کی ہے۔ میری ایک آدھ چیز آپ کے اخبار میں چھپی بھی تو بلامعاوضہ چھپی۔ حبیب صاحب نے کہا کہ ہم آپ کا قلمی تعاون چاہتے ہیں چونکہ میرا قلم نظم ونثر کے سلسلے میں بدنام ہے، اس لیے اکثر رسائل مجھ سے اس قسم کی فرمائش کرتے ہیں اور میں مروۃً اقرار بھی کر لیتا ہوں۔ اگرچہ لکھنے کی توفیق کم ہوتی ہے لیکن اس مخلصانہ اقرار سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، سراسر غیر معقول تھی اور میرے حق میں کانٹے بونے کے برابر ہے، جنگ کا ادارہ مجھے ۱۷ سال سے جانتا ہے، میں نے اپنے مشکل فرائض کو نیک نامی کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کی۔ اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ کچھ ساز باز ضرور ہوگا، خفیہ طور پر کچھ لکھ کر پیسے ضرور کماتے ہوں گے۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی ایسی رسوائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ ۳۸

حقی صاحب نے اخبار جہاں میں کبھی بھی صحافتی خدمات نہیں دیں۔ البتہ مضامین کا سلسلہ' الف اور ب کی نوک جھونک' کے کچھ مضمون ضرور چھپے لیکن یہ بعد کا معاملہ تھا۔ اس بارے میں حقی صاحب لکھتے ہیں:

''کچھ مضمون کراچی کے اخبارِ جہاں میں میرے باذاق دوست شفیع عقیل نے چھاپے، مگر وہ جلد اس اخبار کی ادارت سے الگ ہوگئے، کچھ مضمون وہیں پڑے رہیں گے''۔ ۳۹

حقی صاحب کے احتجاج کے بعد پانچویں شمارے سے 'اخبار جہاں' کے 'مدیر خصوصی' کے طور پر حقی صاحب کا نام شامل نہیں رہا۔

(v) ششماہی غالب، کراچی

حقی صاحب ادارہ یادگار غالب[۴۰] کراچی کے پرچے ششماہی غالب[۴۱] کی مجلس ادارت کے رکن رہے۔ ششماہی غالب کے اُنّیس (۱۹) شمارے جولائی ۱۹۸۷ء سے دسمبر ۱۹۹۵ء تک مشترکہ صورت میں اور تاخیر و طویل تعطل کے ساتھ ششماہی 'غالب' کا آخری پرچہ ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا، ان میں حقی صاحب کے چھ مضامین 'غالب' اور ایک 'پیر روشن ضمیر' [سید حسام الدین راشدی] پر شائع ہوئے۔ رکن مجلس ادارت قلمی تعاون کے علاوہ شان الحق حقی کا کوئی فعال کردار اس جریدہ میں نہیں۔

(vi) مجلّہ تخلیق[۴۲] کراچی

وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج کراچی، حال 'وفاقی جامعہ اردو' کے پرنسپل پروفیسر محمد اکرام الرحمٰن کی سرپرستی اور پروفیسر اے کے آفتاب زبیری کی نگرانی میں زیر ادارت حسن وقار گل (پروفیسر ڈاکٹر حسن وقار گل) بزمِ ادب کے تحت خالص ادبی، تحقیقی، سائنسی مضامین پر مبنی مجلّہ تخلیق کا صرف ایک ہی شمارہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ جس کی مجلسِ مشاورت کے رکن شان الحق حقی صاحب بھی تھے اور قند مکرر کے طور پر ان کا مضمون 'کچھ لسانی الجھنیں' شاملِ اشاعت ہوا۔

(vii) مضمون/ کالم نگاری

حقی صاحب نے مختلف اخبارات و رسائل میں گاہے بہ گاہے مضمون/ کالم نگاری بطور مشغلے کے جاری رکھے جس کا مقصد فروغ و نفاذ اردو میں حائل علمی، تحقیقی، لسانی اور سماجی مشکلات و اعتراضات کو رفع کرنا تھا۔ اخبارات میں وہ اس لیے بھی لکھتے رہے کہ اس طرح اس طبقے کو دلیل کے ساتھ قائل کیا جائے جو اردو کی علمی، تحقیقی اور ادبی وسعت سے آشنا نہ تھا۔

شان الحق حقی نے روزنامہ انجام، حریت، مشرق اور ڈان، کراچی میں ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۰ء کے درمیان وقفے وقفے سے لکھا۔ روزنامہ ڈان (انگریزی) میں حقی صاحب خاص طور پر ان لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے لکھتے جو اردو کے بارے میں معاندانہ رویہ رکھتے تھے اور اردو کے علمی، ادبی، تحقیقی، سائنسی اور قومی زبان ہونے کے ضمن میں کم فہم تھے۔ حقی صاحب کا موقف تھا کہ ان غلط فہمیوں کو رفع کرنا ضروری ہے جو انگریزی داں طبقے میں موجود ہے۔ لیکن یہ مضمون کسی مستقل عنوان یا موضوع پر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی ایک صورت خط بنام مدیر کی بھی ہوتی تھی۔ حقی صاحب نے اپنے کالم اور مضامین ش ح ح، م ش دہلوی بی اے علیگ، محمد شان الحق حقی دہلوی، شان الحق حقی بی اے، محمد شان الحق حقی، سید شان الحق حقی ایم اے کے علاوہ ابتسام حقی، ابتسام بخاری اور ابتسام الدین کے قلمی ناموں سے بھی تحریر کیے ہیں۔[۴۳]

روزنامہ انجام، حریت اور مشرق خاص کر حریت میں ابتسام حقی کے نام سے کالم نوک جھوک لکھتے تھے، بعد ازاں ان کالموں اور مضامین کا انتخاب 'نوک جھوک' ان کے وصال کے بعد ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

حقی صاحب کے یہ کالم ہلکے پھلکے طنز ومزاح کے ذائقہ سے بھرپور ہوتے تھے، جن میں زبان کی تہذیبی روایات کی پاسداری رکھتے ہوئے ادبی معیار اور حسن لطافت کو قائم ہی نہیں بلکہ بلند کرتے ہوئے سنجیدہ موضوعات، لسانی مسائل، اردو کی افادیت اور تعلیم کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ شان الحق حقی کی صحافتی خدمات کے فکری وفنی جائزے کے بعد یہ بات کہنے میں کوئی تامّل نہیں کہ ان میں ادارت کی خداداد صلاحیتیں موجود تھیں۔ انھیں جب اور جہاں ان کے اظہار کا موقع ملا، انھوں نے اس کو منوایا۔ حقی صاحب کو اپنے اندر موجود صحافی کا بخوبی ادارک تھا اور عملی زندگی میں وہ صحافت کو مستقلاً اختیار کرنا بھی چاہتے تھے مگر بوجوہ نہ کر سکے۔ اس بارے میں خود لکھتے ہیں:

> ''میں نے ایک چار ورقی اخبار اپنے ہاتھ سے لکھ کر تیار کیا تھا۔۔۔ وہ اخبار میرے ایک ہم جماعت دوست (جواں مرگ عباس اختر) کے ہاتھ سے چھوٹ کر نالی میں گر گیا اور گندہ ہو گیا، سخت کوفت ہوئی، یہ ہماری صحافتی زندگی کا آغاز تھا جو بدشگونی سے ہوا، چنانچہ صحافت مجھے اور میں اسے نہ اپنا سکا''۔ [۴۴]

حواشی:

۱۔ شان الحق حقی، خودنوشت، 'افسانہ درافسانہ' قسط ۰۳، مارچ ۱۹۹۲ء، مشمولہ ماہنامہ افکار، کراچی ص ۱۷

۲۔ ڈاکٹر محمد شمس الدین، ابلاغ عامہ کی نئی جہتیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء، ص ا

۳۔ محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی، کراچی: انڈس پبلی کیشنز، فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، ۱۹۸۰ء، ص ۳۵۸

۴۔ بدر شکیب، اردو صحافت، کراچی: کاروانِ ادب س/ن، ص ۱۹۹

۵۔ سہ ماہی اردو کا پہلا شمارہ ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد (دکن) ہندوستان سے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اردو (ہند) کے تحت شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں انجمن کا دفتر دلّی منتقل ہوا۔ سہ ماہی اردو ۳۶ تا ۱۹۴۷ء تک یہیں سے نکلتا رہا۔ ہجرت کے بعد ۱۹۴۹ء کے وسط میں انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی سے سہ ماہی اردو جاری ہوا، جو بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی وفات ۱۹۶۱ء تک باقاعدگی سے چھپتا رہا، پھر تعطل کے بعد ۱۹۶۶ء سے تاحال وقفے وقفے سے شائع ہو رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کا دوسرا رسالہ ماہنامہ قومی زبان قیام پاکستان سے قبل ہماری زبان کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے تحت ہفت روزہ ہماری زبان کی اشاعت اب بھی قائم ہے، قومی زبان ابتداء میں پندرہ روزہ تھا، اکتوبر ۱۹۶۳ء سے یہ ماہنامہ بنا اور اس کی ادارت مشفق خواجہ نے سنبھالی۔ سہ ماہی اردو کے دو اشاریے ۱۹۲۱ء تا ۱۹۶۲ء مرتبہ سید سرفراز علی رضوی اور ۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۸ء مرتبہ مصباح العثمان، انجمن ترقی اردو پاکستان،

کراچی سے بالترتیب ۱۹۷۶ء اور ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئے۔ (راقم)

۶۔ حقی، قسط ۶، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۴

۷۔ حقی، 'اردو نامہ' مشمولہ اشاریہ اردو نامہ، مصباح العثمان، کراچی: اردو ڈکشنری بورڈ، ۱۹۹۷ء، ص ۷

۸۔ سید یوسف بخاری کے جدِّ اعلیٰ سید عبدالغفور شاہ بخاری اپنے وقت کے جلیل القدر عالم و درویش تھے۔ ۱۶۵۵ء میں جامع مسجد دہلی کی تعمیر سے اب تک منصبِ امامت انہیں کے خانوادے کے پاس ہے۔ سید یوسف بخاری شمس العلما مولوی سید احمد، امام جامع مسجد دہلی کے بھتیجے اور صاحبِ تصنیف اہلِ قلم تھے۔ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۸ء ترقی اردو بورڈ میں شعبہ مطبوعات میں خدمات انجام دینے کے ساتھ ہی سہ ماہی اردو نامہ کے مینیجر کے فرائض انجام دیے۔ ان کے قلمی سرمائے میں خودنوشت 'دامنِ یوسف'، 'ہماری پہیلیاں'، 'یہ دلّی ہے'، مولوی سید احمد دہلوی کی تصنیف 'رسومِ دہلی' پر دقیق مقدمہ، بچوں کے لیے 'شہزادہ گوہر'، 'فقیروں کا بادشاہ' اور کامیاب لڑکا شامل ہیں۔ ۸؍ جنوری ۱۹۹۱ء کو وفات پائی، تدفین پاپوش نگر قبرستان ناظم آباد کراچی میں ہوئی۔

۹۔ مرزا نسیم بیگ ۵؍ جولائی ۱۹۴۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی اپنے وقت کے ماہر تیراک تھے۔ شان الحق حقی نے تیراکی انہی سے سیکھی تھی۔ مرزا نسیم بیگ خود بھی تیراکی میں مشاق تھے۔ انہوں نے ۱۱؍اپریل ۱۹۶۷ء سے ۴؍جولائی ۲۰۰۷ء تک اردو ڈکشنری بورڈ کراچی (ترقی اردو بورڈ) کراچی میں خادمِ اردو کی ملازمت کی۔ حقی صاحب جب پاکستان ٹیلی ویژن میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے تو اس وقت مرزا صاحب نے پرکشش ملازمت کی پیشکش صرف اردو سے محبت کی وجہ سے ٹھکرا دی۔ خانگی مسائل اور دفتری مشکلات کے باوجود خودداری، جفاکشی، مہمان نوازی کا وصف بڑی شان سے برقرار رکھتے ہوئے ایم اے (اردو) امتیازی حیثیت سے کیا۔ ساتھ ہی تالیفی، تحقیقی، لسانی، علمی، ادبی، مشاغل بھی تسلسل سے جاری رکھے۔ فرہنگِ تلفظ، آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری میں شان الحق حقی اور لغاتِ اضداد و مترادفات جو انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کا منصوبہ تھا، ڈاکٹر سہیل بخاری کی معاونت کی۔ ذاتی تالیفات میں مخزن، حدیثِ نعت اور گلدستۂ نگارش مطبوعہ اور 'مقالاتِ نسیم زیرِ طبع ہے، کئی علمی و ادبی تنظیموں میں فعال رکن کے شریک رہے۔ ملک کے ممتاز اخبارات و جرائد میں ان کے اردو لغت، اردو لغت بورڈ، لغت نویسی، لسانیات اور شخصیات پر مضامین اور انٹرویوز زینت بنے۔ سات سال سہ ماہی اردو نامہ کے مینیجر اور اردو لغت (تاریخی اصولوں پر) کے ۲۲؍ مارچ ۲۰۰۰ء تا ۱۷؍جنوری ۲۰۰۱ء تک قائم مقام مدیرِ اعلیٰ رہے، آپ کی ادارت میں جلد ہفت دہم (سترہویں جلد) لفظ (لوگن، لھسینا، م تا متنزادہ) ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ مرزا صاحب شان الحق حقی کے عاشق اور سچے پرستار تھے۔ یہ بات وثوق سے لکھ رہا ہوں کہ اردو ڈکشنری بورڈ (ترقی اردو بورڈ کراچی) یا شان الحق حقی پر محققین کا کام مرزا صاحب کے تعاون کا محتاج رہا ہے۔ مرزا نسیم بیگ تصوف مائل شخصیت تھے، راقم پر خصوصی نظرِ کرم فرماتے تھے۔ ہر قدم پر انھوں نے جو علمی اور روحانی فیض پہنچایا اس کے لیے میں تادمِ مرگ ان کا مقروض ہوں۔ چھ رمضان المبارک ۱۴۳۴ ہجری بمطابق ۱۶؍ جولائی ۲۰۱۳ء بروز منگل قبل از افطار بہ فضلِ صحت مند بارگاہِ رحمت منتقل ہوئے۔ ان کی تدفین محمد شاہ قبرستان، نارتھ کراچی میں بعد نمازِ تراویح ہوئی، اللہ رب العزت ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

۱۰۔ حقی، قسط ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۲۲

۱۱۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، 'ترقی اردو بورڈ کی علمی خدمات پر ایک نظر'، مشمولہ مجلّہ، علم و آگہی، ۱۹۷۴ء، گورنمنٹ

نیشنل کالج، کراچی، ص ۳۱۶

۱۲۔ حقی، اشاریہ اردو نامہ، ص ۷

۱۳۔ حقی، افتتاحیہ، 'جرأت وفراستِ جنگ'، مشمولہ سہ ماہی اردو نامہ، شمارہ ۲۱، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۴، ترقی اردو بورڈ کراچی

۱۴۔ حقی، افتتاحیہ، 'اردو زبان کی تبدیلیوں کا معروضی جائزہ'، اردو نامہ، شمارہ ۹، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۲

۱۵۔ حقی، افتتاحیہ، 'اردو میں علاقائی الفاظ کی شمولیت کا مسئلہ'، اردو نامہ، شمارہ ۲۹، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۶

۱۶۔ حقی، افتتاحیہ، 'لغت میں ضرورت سے زیادہ مثالیں'، اردو نامہ، شمارہ ۲۳، مارچ ۱۹۶۶ء، ص ۲

۱۷۔ سہ ماہی اردو نامہ میں جوش صاحب کے پانچ مضامین (i) 'کچھ اردو کے باب میں' شمارہ ا، ص ۷ (ii) 'حیاتِ متنبیّ'، شمارہ ۲، ص ۵ (iii) 'دانش گاہِ فکر وقلم'، شمارہ ۳، ص ۵ (iv) 'نو وارد شاعر'، شمارہ ۱۵، ص ۵۶ (v) 'یادوں کی برات'، شمارہ ۲۴ ص ۲۴ کے علاوہ سات نظمیں، کتاب، 'ایضاحِ سخن بہ توضیحِ اصلاحِ سخن'، مصنف، 'تمنا عمادی مجیبی پھلواروی' پر تبصرہ شامل ہونے کے باوجود، حقی صاحب کا یہ کہنا کہ جوش صاحب نے 'اردو نامہ' کے لیے ایک سطر بھی نہیں لکھی، بہتر ہوتا کہ حقی صاحب کم از کم یہ حقیقت بھی کھول دیتے کہ جوش صاحب کی یہ نگارشات مطبوعہ تھیں یا غیر مطبوعہ، یا یہ سب حقی صاحب نے خود یا کسی سے لکھوا کر ازارہِ نیازمندی شائع کیا تھا، اس بارے میں حقی صاحب خاموش ہیں۔

۱۸۔ 'کتابِ زندگی' قیصری بیگم کی خودنوشت کو ان کی نواسی زہرا مسرور نے مرتب کر کے ۲۰۰۳ء میں شان الحق حقی کے پیش لفظ کے ساتھ فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی سے شائع کرائی۔ قیصری بیگم خان بہادر شرف الحق کی صاحبزادی اور حقی صاحب کی پھوپھی ہونے کے علاوہ صاحبِ اسلوب ادیبہ تھیں۔

۱۹۔ حقی، قسط ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۲۳

۲۰۔ حقی، اشاریہ اردو نامہ، ص ۸

۲۱۔ ماہنامہ ماہِ نو کراچی کے بعد اسلام آباد اور اب لاہور سے شائع ہوتا ہے جبکہ نریندر سیٹھی کی زیرِ ادارت اپریل ۱۹۶۷ء میں ماہنامہ ماہ نو دہلی کا اجراء ہوا۔ (راقم)

۲۲۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال، اردو ادب کے عصری رجحانات کے فروغ میں مجلہ 'افکار' کراچی کا کردار، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص ۴۷،

۲۳۔ شمشیر خان، پاکستان کے منتخبہ ادبی رسائل کا تاریخی، تنقیدی وادبی جائزہ، ص ۸۲

۲۴۔ حقی، قسط ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۱۸

۲۵۔ حقی صاحب کی ماہِ نو سے قلمی وابستگی، جولائی ۱۹۴۸ء جلد ا، شمارہ ۴ میں شیکسپیئر کے ڈرامے انطنی وقلوبطرہ کے دو منظروں کے منظوم ترجمہ کی اشاعت سے قائم ہو چکی تھی۔

۲۶۔ حقی، قسط ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۱۸

۲۷۔ محولہ بالا، ص ۱۹

۲۸۔ ش ح (حقی) 'آپس کی باتیں'، مشمولہ ماہنامہ ماہِ نو، کراچی جون ۱۹۶۷ء، ص ۶

۲۹۔ ش ح (حقی) 'آپس کی باتیں'، مشمولہ ماہِ نو، کراچی، دسمبر ۱۹۶۷ء، ص ۶

۳۰ ش ح (حقی) 'آپس کی باتیں'، مشمولہ ماہِ نو، کراچی، نومبر ۱۹۶۵ء، ص ۶

۳۱ اشرف، ص ۱۰۵

۳۲ حقی، قسط ۶، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۰

۳۳ نام معین احسن، تخلص جذبی جامعہ علی گڑھ کے شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔ ۱۹۲۹ء سے شاعری شروع کی، فانی کا رنگ غالب ہے، مجموعہ کلام 'فروزاں' مقبولیت کی سند رکھتا ہے۔

۳۴ حقی، قسط ۶، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۰

۳۵ شان الحق بی اے، نام کے ساتھ ڈگری لکھنے کی وجہ تسمیہ آج کل دہلی کے مدیر آغا محمد یعقوب دواشی تھے۔ جو نام کے ساتھ ڈگریاں ضرور لکھواتے، میرے اور شیش چندر طالب کے نام کے ساتھ بااصرار ڈگری لکھواتے۔ مزید دیکھیے خودنوشت 'افسانہ در افسانہ' کی قسط نمبر ۳، مشمولہ افکار، کراچی مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۱۷

۳۶ حقی، قسط ۶، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۰

۳۷ حقی، 'تہنیتِ افکار کی وسعت'، مشمولہ ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی شمارہ ۲، ۱۵/جنوری ۱۹۶۶ء [۶۷ء]، کراچی، ص ۴

۳۸ حقی، خط بنام میر خلیل الرحمٰن، جنوری ۱۹۶۷ء، مملوکہ سلمان حقی

۳۹ حقی، نوک جھوک، کراچی: فیروزسنز لمیٹڈ، ۲۰۰۶ء، ص ۶،

۴۰ ادارہ یادگارِ 'غالب' کراچی کا قیام جنوری ۱۹۶۸ء میں ہوا۔ اس کے بانی صدر فیض احمد فیض اور معتمد عمومی مرزا ظفر الحسن تھے۔ یکم ستمبر ۱۹۷۱ء کو اس وقت کے ایڈیشنل چیف سکیریٹری، حکومت سندھ، آفتاب احمد خان (صدر انجمن ترقی اردو پاکستان) نے ادارے کے کتب خانے 'غالب لائبریری' کا افتتاح کیا۔

۴۱ شش ماہی 'غالب'، کراچی، جنوری ۱۹۷۵ء میں سہ ماہی پرچہ تھا اس کے مدیر اعلیٰ فیض احمد فیض اور مدیر مرزا ظفر الحسن تھے، ستمبر ۱۹۷۷ء کو اس کا آخری شمارہ 'اقبال نمبر' نکلا۔ شش ماہی 'غالب' کا پہلا شمارہ [مشترکہ] جولائی تا دسمبر ۱۹۸۷ء / جنوری تا جون ۱۹۸۸ء زیرادارت مختار زمن اور مشفق خواجہ شائع ہوا۔ رسالے کا سرورق اور غالب لائبریری کی خطاطی صادقین کے مُوقلم کی ایک مستقل نشانی ہے۔ شش ماہی غالب کا آخری شمارہ ۱۹، ۲۰۰۰ء میں مختار زمن، رعنا فاروقی اور ڈاکٹر مشرف احمد کی ادارت میں شائع ہوا۔ پھر بارہ سال کے تعطل کے بعد شمارہ ۲۰ سے 'غالب' کو کتابی سلسلے میں تبدیل کر دیا گیا، اس کا پہلا شمارہ ۲۰۱۲ء میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی ادارت میں منظر عام پر آیا۔

۴۲ مجلّہ تخلیق بزم ادب وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج گلشن اقبال کراچی کے تحت شائع ہوا، جس کے سرپرست پروفیسر محمد اکرام الرحمٰن (پرنسپل) نگراں پروفیسر اے کے آفتاب زبیری، مدیر حسن وقار گل (پروفیسر ڈاکٹر وقار حسن گل) تھے۔ یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ اس کی مجلسِ مشاورت میں شان الحق حقی صاحب اور مجلسِ ادارت میں پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب (نگران مقالہ اور شیخ الجامعہ وفاقی جامعہ اردو) رکن اور راقم مجلسِ ادارت کے معاون کے طور پر شامل تھے۔ مجلّے کا صرف ایک ہی شمارہ آسکا۔ اس سے قبل ممتاز ادیب مشفق خواجہ نے ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ تخلیق، کراچی سے جاری کیا جو پہلے شمارے کی اشاعت کے بعد بند ہوگیا۔

۴۳ حقی، قسط ۲۳، نومبر ۱۹۹۳ء، ص ۲۰

۴۴ حقی، قسط ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۱۷